© rasailojaraid.com

حرفِ آغاز

احیاءِ اسلام کے لئے علمی تیاری کی اہمیت

سید جلال الدین عمری

گزشتہ پچاس برس میں مسلمان بڑے نازک دور سے گزرتے رہے ہیں۔ مغربی افکار کے غلبہ اور اسلام سے بے خبری نے ان کے افکار کی دنیا بدل دی، سوچنے سمجھنے کا ڈھنگ بدل دیا، نیک و بد کی قدریں بدل دیں، جو خوب تھا وہ ناخوب ہوگیا اور جو ناخوب تھا اسے خوب سمجھ لیا گیا۔ عالم اسلام سے مغرب کا سیاسی اقتدار تو آہستہ آہستہ ختم ہوتا چلا گیا لیکن اس کی جگہ کوئی دوسرا مضبوط سیاسی نظام نہ ابھر سکا جس کی وجہ سے ہر طرف انتشار اور افتراق برپا رہا۔ دنیا کی اس سب سے بڑی امت کی قوتیں آپس کے نزاعات اور باہمی کشمکش میں ضائع ہوتی رہیں۔ وہ چھوٹے چھوٹے غیر اہم مسائل میں الجھ کر رہ گئی اور کوئی قابل ذکر فکری اور علمی کارنامہ انجام نہ دے سکی جس سے اس کی اہمیت محسوس کی جاتی۔ اقوام عالم میں اس کی افادیت مشکوک اور اس کا وزن گھٹ گیا۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ایک واقعہ ہے کہ اسی دوران میں پوری امت کے اندر اقامت دین اور احیاءِ اسلام کا احساس شدت سے ابھرا۔ یہ بات، جسے زبان پر لانے میں بھی تامل ہوتا تھا، پوری قوت کے ساتھ کہی جانے لگی کہ انسان ایک کل ہے، اسے مختلف خانوں میں تقسیم نہیں کیا جاسکتا ورنہ اس کی زندگی میں تضاد اور تناقض پیدا ہو جائے گا، اسلام اس کل پر اپنی حکم رانی چاہتا ہے۔ لہٰذا زندگی کے کسی ایک شعبہ کو نہیں بلکہ اس کے تمام شعبوں کو اس کے تابع ہونا چاہیے۔ وہی عبادات کے طور طریقے بتائے گا، اسی سے اخلاقی ہدایات حاصل کی جائیں گی، معاشرت اور معیشت کے اصول اخذ کیے جائیں گے اور اسی کے احکام کے تابع حکومت و سیاست ہوگی۔ وہ غالب ہونے کے لیے ہے، اسے دنیا کے ہر فکر پر اور ہر گوشۂ حیات پر غالب ہونا چاہیے۔ اس سلسلہ میں جو بیش قیمت لٹریچر وجود میں آیا اس میں جہاں زندگی کے اور مسائل سے بحث کی گئی ہے وہیں ان اصطلاحات کی بڑی نفیس اور جان دار تشریح بھی ہوئی ہے جن میں اقامتِ دین اور احیاءِ اسلام کو امت کا نصب العین بتایا گیا ہے۔ یہ تشریح زیادہ تر دعوتی مقاصد کے تحت کی گئی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس کی ضرورت پہلے بھی تھی اور آج بھی [illegible] کے لیے جدوجہد کا جذبہ ابھرتا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور اسے قائم و غالب کرنے کی تڑپ پیدا ہوتی ہے، لیکن اس پر اقامتِ دین کا دعوتی پہلو اتنا چھایا ہوا ہے کہ اس کے علمی تقاضے پوری طرح نمایاں ہو کر سامنے نہیں آتے۔ اقامت دین ایک بڑا نازک اور پیچیدہ کام ہے۔ موجودہ دور میں اس کی نزاکت اور پیچیدگی شاید کچھ زیادہ بڑھ گئی ہے۔ اس کے علمی تقاضے بڑے سخت ہیں۔ اس موضوع پر قرآن و حدیث کا مطالعہ مختلف پہلوؤں سے ہو سکتا ہے۔ یہاں اس بات کی کوشش کی جائے گی کہ اقامت دین کے لیے قرآن مجید میں جو اصطلاحات آئی ہیں ان میں سے بعض اصطلاحات کی مدد سے اس کے علمی تقاضوں کو واضح کیا جائے۔

دعوت الی اللہ

سب سے پہلے دعوت و تبلیغ کو لیجئے۔ یہ اقامت دین کا پہلا اور بنیادی مرحلہ ہے۔ دعوت یہ نہیں ہے کہ آدمی کسی بے دلیل دعوی پر اصرار شروع کر دے۔ اگر مخاطب مان لے تو اسے اس کی خوش بختی اور اپنی سرخروئی تصور کرنے لگے، بے چارہ نہ مانے تو اپنی ناکامی اور نا اہلیت کو چھپانے کے لیے اسے اس کی ضد اور ہٹ دھرمی قرار دے بیٹھے، بلکہ دعوت دنیا کو ظلمتوں سے نور کی طرف لے جانے کا نام ہے۔ اس کے لیے بڑی علمی بصیرت کی ضرورت ہے۔ جس طرح بصارت سے محسوسات کی دنیا روشن ہوتی ہے اسی طرح بصیرت سے افکار و خیالات کی دنیا بے نقاب ہو کر سامنے آتی ہے اور آدمی اس پوزیشن میں ہوتا ہے کہ حق و باطل کے درمیان فرق و امتیاز کرے اور استدلال کی پوری قوت کے ساتھ باطل کو رد کر کے حق کو ثابت کر سکے۔ خدا کے پیغمبر اسی بصیرت کے ساتھ دعوت کا فرض انجام دیتے ہیں۔

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا	کہہ دو یہ میرا راستہ ہے۔ میں پوری بصیرت
اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ	کے ساتھ اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔ میں خود بھی
اتَّبَعَنِيْ ؕ (یوسف: ۱۰۸)	اور میری اتباع کرنے والے بھی۔

یہ آیت صاف بتاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے مخلص ساتھی پوری بصیرت کے ساتھ دعوت الی اللہ کا فریضہ انجام دے رہے تھے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس بات کی گواہی ہے کہ جو نورِ بصیرت اس کام کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملا تھا اس سے وہ مبارک جماعت بھی بہرہ یاب تھی جو اس کام میں آپ کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔ صحیح بات یہی ہے کہ بغیر بصیرت کے یہ فرض کوئی گروہ انجام دے بھی نہیں سکتا۔

اس آیت کی تشریح میں [illegible]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اعلان کر دیجئے کہ اللہ کی طرف آپ کی دعوت بصیرت، یقین اور دلیل و برہان کے ساتھ ہے اور آپ کی پیروی کرنے والے بھی بصیرت یقین اور برہانِ عقلی و شرعی کے ساتھ یہی دعوت دے رہے ہیں[۱]

قدماء میں سے ایک اور بڑے محقق حافظ ابن قیم فرماتے ہیں۔

اللہ کی طرف دعوت دینا بندے کے لیے سب سے اونچا اور بلند مقام ہے۔ یہ مقام آدمی کو اس دین کے علم سے حاصل ہو سکتا ہے جس کی وہ دعوت دے رہا ہے بلکہ دعوت میں کمال اسی وقت پیدا ہوتا ہے جب کہ ممکنہ حد تک اس علم میں کمال پیدا کیا جائے۔ علم کے شرف اور عظمت کے لیے یہ بات کافی ہے کہ صاحب علم ہی کو یہ مقام حاصل ہوتا ہے کہ وہ اللہ کی طرف بلائے[۲]

دعوت کس طرح دی جائے اور اس کے لیے کیا طریقے اختیار کئے جائیں قرآن مجید نے جہاں اس کی وضاحت کی ہے وہاں سب سے پہلے حکمت کا ذکر کیا ہے۔

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ	اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت کے ساتھ دعوت دو۔
(النحل: ١٢٥)	

یہاں حکمت کے معنی یہ بیان کیے گئے ہیں کہ مضبوط دلائل کے ساتھ دین کو واضح کیا جائے۔

چنانچہ زمخشری کہتے ہیں۔

...... بالحكمة بالمقالة المحكمة الصحيحة وهي الدليل الموضح للحق المزيل للشبهة[۳]	دعوت دو حکمت سے یعنی ایسے بیان سے جو محکم اور صحیح ہو۔ اس سے ایسی دلیل مراد ہے جو حق کو واضح اور (مخالف کے) شک و شبہ کو دور کر دے۔

حکمت کی یہی تشریح قاضی بیضاوی نے بھی کی ہے[۴]

اس طرح دین کو پوری طرح دلائل سے واضح کرنے کے بعد خدا کے پیغمبر یہ اعلان کرنے کی پوزیشن میں ہوتے ہیں کہ:-

قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ عَمِیَ	تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے دلائل بصیرت آ چکے۔ اب جو آنکھیں کھول کر دیکھے

---

[۱] ابن کثیر: تفسیر ۲/ ۴۹۵ - ۴۹۶ [۲] التفسیر القیم: ترتیب مولانا محمد اویس ندوی ۳۱۹/
[۳] زمخشری: الکشاف عن حقائق التنزیل تفسیر آیت مذکور [۴] بیضاوی:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فَعَلَيْهَا ۖ وَمَا أَنَا عَلَيْكُم بِحَفِيظٍ (الانعام: ۱۰۴)

تو اس میں اسی کا فائدہ ہے اور جو آنکھیں بند کرے تو اس کا نقصان بھی اسی کو پہونچے گا۔ میں تم پر نگراں بنا کر نہیں بھیجا گیا ہوں۔

آیت میں بصائر کا لفظ آیا ہے جو بصیرت کی جمع ہے۔ پیغمبر جو دلائل پیش کرتا ہے انھیں بصائر سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ اس سے مخاطب کی آنکھیں کھلتی ہیں وہ حق و باطل کو بالکل الگ الگ دیکھنے لگتا ہے۔ وہ دن کی روشنی میں فیصلہ کر سکتا ہے کہ اسے کدھر جانا ہے اور کس انجام سے دوچار ہونا ہے۔

انذار و تبشیر

اب ایک اور اصطلاح انذار و تبشیر کو لیجئے۔ قرآن مجید میں بار بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بشیر و نذیر کہا گیا ہے۔

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا (بقرہ: ۱۱۹)

ہم نے آپ کو دین حق کے ساتھ بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔

انذار کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو اس کی غلط روش کے برے انجام سے آگاہ کیا جائے۔ اس کی صحیح روش پر اچھے انجام کی خوش خبری دینا تبشیر ہے۔ کبھی کبھی یوں محسوس ہوتا ہے جیسے اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگ بھی انذار و تبشیر کو بے دلیل وعظ و نصیحت اور خالی خولی ترغیب و ترہیب کے ہم معنی سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ سادہ اور سہل کام نہیں ہے۔ یہ حق کو ثابت کرنا اور باطل کو رد کرنا ہے۔ جب کسی قوم کے درمیان انذار و تبشیر کا فرض ادا کیا جاتا ہے تو حق و باطل کی کشمکش شروع ہو جاتی ہے، دونوں طرف کے دلائل زیر بحث آجاتے ہیں اور مخالفین دلائل کے میدان میں شکست کھا کر مذاق اڑانے اور تمسخر کرنے لگتے ہیں۔ یہ سب انذار و تبشیر کے مراحل یا یوں سمجھئے کہ تقاضے ہیں۔ اسی بات کو قرآن نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ ۚ وَيُجَادِلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ ۖ وَاتَّخَذُوا آيَاتِي وَمَا

ہم تو رسولوں کو صرف اس لیے بھیجتے ہیں کہ وہ بشارت دیں اور ڈرائیں جن لوگوں نے کفر کیا ہے وہ باطل کی مدد سے کٹ حجتیاں کرتے ہیں تاکہ اس سے حق کو پسپا کر دیں۔ انھوں نے میری آیات کو اور جس عذاب سے انھیں ڈرایا گیا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اُنْذِرُوْا ھُزُوًا ٥ (الکہف: ۵۶) مذاق بنالیا ہے۔

اس انذار و تبشیر کے ذریعہ اللہ کے رسول مخالفین پر اس طرح حجت تمام کردیتے ہیں کہ وہ دلائل کے میدان میں نہتے اور خالی ہاتھ ہوجاتے ہیں اور باطل پر جمے رہنے کے لیے ان کے پاس کوئی بنیاد نہیں ہوتی۔ اس کے بعد اگر کوئی قوم ایمان نہ لائے تو وہ دنیا میں خدا کے عذاب کی مستحق ہوجاتی ہے اور آخرت میں عذر و معذرت کے سارے دروازے اس کے لیے بند کردئے جاتے ہیں۔

رُسُلًا مُّبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ لِئَلَّا یَکُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰہِ حُجَّۃٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ط (النساء: ۱۶۵)

ہم نے یہ سارے رسول خوش خبری دینے اور ڈرانے والے بناکر بھیجے تاکہ ان کے آنے کے بعد لوگوں کے پاس اللہ کے مقابلہ میں کوئی حجت نہ رہے۔

اسی انذار و تبشیر کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ کتاب پر بھی اللہ کی طرف سے حجت تمام کی۔ ارشاد ہے۔

یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ قَدْ جَآءَ کُمْ رَسُوْلُنَا یُبَیِّنُ لَکُمْ عَلٰی فَتْرَۃٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِیْرٍ وَّلَا نَذِیْرٍ فَقَدْ جَآءَ کُمْ بَشِیْرٌ وَّنَذِیْرٌ وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ٥ (المائدہ: ۱۹)

اے اہل کتاب ہمارا یہ رسول تمہارے پاس آپہونچا جو دین کی تعلیم تمہیں صاف صاف دے رہا ہے۔ ایک ایسے وقت میں جب کہ رسولوں کی آمد کا سلسلہ ایک مدت سے بند تھا تاکہ تم یہ نہ کہہ سکو کہ ہمارے پاس کوئی بشارت دینے والا اور ڈرانے والا نہیں آیا۔ سو اب یہ ڈرانے اور خوش خبری دینے والا تمہارے پاس آگیا۔ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

اس اتمام حجت کے لیے ضروری ہے کہ انذار و تبشیر کا فرض اس طرح انجام دیا جائے کہ مخاطب کے شبہات رفع ہوجائیں، اس کے دماغ کی گرہیں کھلتی چلی جائیں اور حق اپنی تمام تابانیوں کے ساتھ سامنے آجائے کسی دلیل کی بنا پر اسے رد نہ کیا جاسکے اور مخالف جی سکے ——— تو صرف ضد اور ہٹ دھرمی کے سہارے جی سکے۔ اس کام کے لیے محض سطحی علم اور روایتی معلومات کافی نہیں ہیں بلکہ داعی کو تفقہ سے بہرہ مند ہونا چاہئے۔ تفقہ دین میں گہری بصیرت حاصل کرنے اور اس کی روح کو پانے کا نام ہے۔ یہ دولت ان خوش قسمت انسانوں کو ملتی ہے جن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے خیر و برکت کا خاص نزول ہوتا ہے۔ قرآن کے نزدیک انذار و تبشیر کے لیے ہر بستی میں اصحاب فقہ کا پایا جانا ضروری ہے۔ ارشاد ہے۔

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ	ایسا کیوں نہیں ہوا کہ ان کے ہر گروہ میں سے کچھ
طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَ	لوگ نکلتے تاکہ دین میں تفقہ پیدا کرتے اور
لِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا	واپس جا کر اپنی قوم کے درمیان انذار کرتے
إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ○ (توبہ ۱۲۲)	کہ وہ بھی غیر اسلامی روش سے پرہیز کرتے۔

یہ ہے انذار و تبشیر جو اپنی فطرت کے لحاظ سے اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ آدمی تفقہ فی الدین پیدا کرے۔ اسے جہاد کبیر بھی کہا گیا ہے۔ فرمایا:۔

وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيرًا ○	اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں ایک ڈرانے والا بھیج
فَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَجَاهِدْهُم بِهِ	دیتے تو اے نبی آپ کافروں کی بات نہ مانئے اور
جِهَادًا كَبِيرًا ○ (فرقان: ۵۱-۵۲)	اس قرآن کے ذریعہ ان سے جہادِ کبیر کیجئے۔

مطلب یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ہر بستی میں ایک نذیر آتا اور لوگوں کو ان کے انجام سے آگاہ کرتا، جیسا کہ اس سے پہلے ہوتا رہا ہے، لیکن اب اللہ کا فیصلہ یہ ہے کہ پورے عالم کے لیے ایک ہی نذیر ہو اور ایک ہی کتاب ہو، لہٰذا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کفر و باطل کے مقابلہ میں جمے رہیں اور اس کتاب کے ذریعہ جہاد کبیر کرتے رہیں۔[1]

یہ سورۂ فرقان کی آیات ہیں اور سورۂ فرقان مکہ میں نازل ہوئی۔ مکہ میں تلوار سے جہاد نہیں تھا بلکہ کفر و شرک کے خلاف دلائل کی جنگ لڑنے کا حکم دیا گیا تھا۔ جہاد تلوار ہی سے نہیں ہوتا بلکہ دلائل اور براہین سے بھی ہوتا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے۔

جاھدوا المشرکین باموالکم	مشرکین سے جہاد کرو، اپنے اموال سے، اپنی
وانفسکم والسنتکم[2]	جانوں سے اور اپنی زبانوں سے

امام راغب فرماتے ہیں جہاد ہاتھ سے بھی ہوتا ہے اور زبان سے بھی، علامہ رشید رضا مصری نے اس پر یہ اضافہ کیا ہے۔

والجھاد بالالسنة اقامة	زبان سے جہاد یہ ہے کہ دلیل اور حجت قائم
البرھان والحجة[3]	کر دی جائے

---

[1] رازی: تفسیر کبیر: ۶/ ۳۸۶ [2] مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الجہاد فی فضائلہ بحوالہ ابوداؤد، نسائی۔ دارمی۔
[3] تفسیر المنار: ۱۱/ ۳۰۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دلائل کی یہ جنگ مکہ میں اس طرح لڑی گئی کہ قرآن کے مخالفین نہتے ہوتے چلے گئے۔ اس نے بار بار اعلان کیا۔

قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ○ (الانعام: ۱۴۸)	ان سے کہو کہ کیا تمہارے پاس کوئی علم ہے جسے تم ہمارے سامنے پیش کر سکو۔ تم تو محض گمان پر چل رہے ہو اور نری قیاس آرائیاں کرتے ہو۔

اس چیلنج کا ان کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ یہ جہاد زبردست علمی وفکری تیاری کے بغیر نہیں لڑا جاسکتا۔ اس کے لیے اس قدر مسلح ہونا پڑے گا کہ باطل کے ہر وار کو روکا جاسکے بلکہ جوابی حملہ کر کے اسے پسپا کر دیا جائے۔

شہادت علی الناس

اس کام کے لئے شہادت علی الناس کی اصطلاح بھی استعمال کی گئی ہے۔ شہادت علم کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ علم کے بغیر آپ شہادت نہیں دے سکتے۔ پھر علم بھی ایسا جس میں قطعیت ہو، جس میں شک کی کوئی گنجائش نہ ہو، جس میں حالات کا آپ نے پوری تفصیل اور باریک بینی سے مطالعہ کیا ہو، جس میں آپ کو صاف معلوم ہو کہ حق پر کون ہے اور باطل پر کون؟ آپ کے علم اور مطالعہ میں ذرا بھی غلطی ہو یا آپ ریب اور تذبذب کے شکار ہوں تو شہادت کا حق ٹھیک ادا نہیں کر سکتے۔ خدا کے رسول اس کے دین کے شاہد بن کر دنیا میں آتے ہیں۔ وہ اپنی قوم کے درمیان اس طرح شہادت دیتے ہیں کہ حق پوری طرح واضح ہو جاتا ہے اور باطل کی ایک ایک خامی ابھر کر سامنے آجاتی ہے۔ اس شہادت کے بعد بھی قوم حق کو قبول نہ کرے اور باطل سے چمٹی رہے تو اس کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔

اِنَّا اَرْسَلْنَا اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَا اَرْسَلْنَا اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ○ فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيْلًا ○ (المزمل: ۱۵، ۱۶)	ہم نے تمہاری طرف ایک رسول تم پر شاہد بنا کر بھیجا ہے۔ جیسا کہ ہم نے فرعون کی طرف ایک رسول بھیجا۔ فرعون نے رسول کی نافرمانی کی تو ہم نے اسے بڑی سختی کے ساتھ پکڑ لیا۔

خدا کے رسول اس کے دین کی جو شہادت اس دنیا میں دیتے ہیں اسی کی بنیاد پر قیامت کے روز بھی قوموں کا فیصلہ ہوگا۔ وہاں ان کے مخالفین کو معلوم ہو جائے گا کہ دلیل اور حجت پیغمبروں کے ہاتھ میں تھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور وہ بے دلیل ان سے لڑ رہے تھے۔

يَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ٥ (نحل: ۸۴)	یاد کرو اس دن کو جب کہ ہم ہر امت میں سے ایک گواہ کھڑا کریں گے۔ پھر جن لوگوں نے کفر کیا ہوگا انھیں نہ تو عذر پیش کرنے کی اجازت دی جائے گی اور نہ ان سے اللہ کو راضی کرنے کی فرمائش کی جائے گی۔

شہادت علی الناس کا جو فرض اللہ کے رسولوں نے انجام دیا وہی اب اس امت کو انجام دینا ہے۔ اس وقت ایک طرف اللہ کا نازل کردہ دین ہے، دوسری طرف اس کے بالمقابل انسانوں کے گھڑے ہوئے نظریات ہیں اسے ثابت کرنا ہوگا کہ اللہ کا دین ہی دین حق ہے اس کے علاوہ دنیا میں اس سرے سے اس سرے تک جو نظریات پھیلے ہوئے ہیں وہ سارے کے سارے باطل نظریات ہیں۔ اس کے لیے دین حق کی خوبیوں کے ساتھ ان نظریات کی کمزوریوں اور خامیوں سے واقف ہونا اور ٹھیک ٹھیک اسے آج کے اسلوب میں پیش کرنا ضروری ہے۔

لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ (الحج: ۷۸)	تاکہ رسول تم پر گواہ ہو اور تم لوگوں پر گواہ ہو۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر

اس کے لیے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی اصطلاح بھی استعمال کی جاتی ہے۔ معروف ومنکر کے اندر مثبت اور منفی طریقہ سے پورا دین آجاتا ہے۔ 'معروف' افکار واعمال کا وہ نظام ہے جسے کتاب وسنت کی سند حاصل ہے۔ جن افکار واعمال کو یہ سند حاصل نہیں ہے انھیں 'منکر' کہا جاتا ہے۔ دین کی دعوت وتبلیغ سے لے کر اسلامی ریاست کے قیام اور اس کی کارگزاری (FUNCTION) تک سب ہی کچھ امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں شامل ہے۔ اس کے لیے دین کا گہرا اور وسیع علم ہی کافی نہیں ہے بلکہ مخالف دین افکار ونظریات سے بھی بھرپور واقفیت ضروری ہے۔ ورنہ یہ طویل سفر طے نہیں ہو سکتا [۱]

۱۔ اس موضوع پر تفصیلی بحث کے لیے ملاحظہ ہو راقم کی کتاب 'معروف ومنکر' مطبوعہ مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اظہار دین

اب ایک اور اصطلاح اظہار دین کو لیجئے۔ قرآن مجید نے اظہار دین کا اعلان کیا اور یہ اعلان پورا ہوا۔ اظہار دین کے دو پہلو ہیں۔ ایک سیاسی سطح پر اس کا غالب ہونا۔ دوسرا دلائل کے ذریعہ اس کا چھا جانا۔ سیاسی طور پر دین اسی وقت غالب ہو سکتا ہے جب کہ دلائل سے اس کا حق ہونا ثابت ہو جائے۔ علمی اور استدلالی کوششوں ہی سے سیاسی غلبہ کی راہیں کھلتی ہیں۔ بعض اوقات کسی نظریہ کے سیاسی غلبہ کو اس کے علمی غلبہ سے الگ کر کے دیکھا جاتا ہے۔ لیکن یہ ایک فکری غلطی ہے۔ کسی فرد یا گروہ کے سیاسی اقتدار تک پہونچنے اور کسی نظریہ کے اقتدار پر آنے میں فرق ہے۔ کوئی فرد یا گروہ مضبوط علمی اور فکری پس منظر کے بغیر بھی اقتدار پر قابض ہو سکتا ہے۔ لیکن نظریہ اپنا زبردست علمی پس منظر چاہتا ہے۔ علمی غلبہ کے بغیر اسے سیاسی غلبہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ جب بھی اسلام کو سیاسی سربلندی حاصل ہوگی اس کی علمی برتری اس سے پہلے قائم ہو چکی ہوگی۔ پیغمبروں پر اللہ تعالیٰ کی جو عنایات ہوتی ہیں، ان میں قرآن مجید نے علم اور حکم کا خاص طور پر ذکر کیا ہے۔ حضرت موسیٰؑ کے متعلق فرمایا:۔

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰٓى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا (القصص ۱۴) — اور جب وہ پوری جوانی کو پہنچ گیا اور اس کا نشو ونما مکمل ہو گیا تو ہم نے اسے حکم اور علم عطا کیا۔

حضرت یوسفؑ کو بھی یہ دونوں خوبیاں ملی تھیں۔ ارشاد ہے:۔

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗٓ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا (یوسف: ۲۲) — اور جب وہ اپنی پوری جوانی کو پہونچا تو ہم نے اسے حکم اور علم عطا کیا۔

حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کے بارے میں کہا ہے:۔

كُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا (انبیاء: ۷۹) — ہم نے ان میں سے ہر ایک کو حکم اور علم عطا کیا تھا۔

یہی بات حضرت لوطؑ کے بارے میں بھی کہی گئی ہے (الانبیاء: ۷۴) علم اور حکم کا ایک ساتھ ذکر کر کے قرآن مجید نے اس گہرے رشتہ کو بیان کیا ہے جو ان کے درمیان پایا جاتا ہے۔ 'حکم' کے معنی قوت فیصلہ کے بھی ہیں اور فیصلہ کرنے کے بھی۔ فیصلہ کا تعلق قانون اور سیاست سے ہے۔ اس کے ساتھ علم کے ذکر کا مطلب یہ ہے کہ سیاست علم سے وابستہ ہے۔ علم نہ ہو تو انسان کے فیصلے غلطی سے محفوظ نہیں رہ سکتے۔ جہاں انفرادی معاملات سے آگے بڑھ کر قوموں اور گروہوں کی قسمت کا فیصلہ کرنا ہو بڑے بڑے اجتماعی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور سیاسی اقدامات کرنے ہوں وہاں علم کا کردار بنیادی ہوتا ہے۔ یوں کہنا چاہیے کہ علم کے بغیر اس راہ میں آدمی ایک قدم آگے نہیں بڑھ سکتا۔

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اسلامی ریاست علم کی بنیاد پر قائم ہوگی اور اس میں اقتدار کا مرکز اہلِ علم ہوں گے۔ قرآن کہتا ہے:۔

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَطِیْعُوا اللّٰهَ	اے لوگو جو ایمان لائے ہو اطاعت کرو اللہ کی
وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ	اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم
مِنْکُمْ (نساء: ۵۹)	میں اولوالامر ہیں۔

اسلام میں اولوالامر وہ ہوں گے جن کے اندر اجتہاد اور استنباط کی صلاحیت ہوگی۔ یہ صلاحیت تھوڑی بہت معلومات سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ اس کے لیے وسیع علم اور گہری بصیرت کی ضرورت ہے۔ ارشاد ہے:۔

وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ	جب ان لوگوں کو کسی امر کی خبر پہونچتی ہے
اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ وَلَوْ رَدُّوْهُ	امن کی ہو یا خوف کی تو وہ اسے پھیلا دیتے ہیں۔
اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِی الْاَمْرِ	حالانکہ اگر یہ اسے رسول اور اپنے اولوالامر تک
مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِیْنَ	پہونچائیں تو تحقیق کرتے اس کی وہ لوگ جو ان
یَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ (نساء: ۸۳)	میں تحقیق کرنے والے ہیں۔

بلاشبہ یہ آیت حالت جنگ سے بحث کرتی ہے لیکن جیسا کہ علامہ ابوبکر جصاص کہتے ہیں "یہ ہر طرح کے اجتہاد کی دلیل ہے۔ جب جنگی معاملات میں اجتہاد ضروری ہے تو دوسرے معاملات میں بھی ضروری ہے۔ اس لیے کہ دونوں ہی احکام الٰہی ہیں"[1]

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ احیاءِ دین کے لیے جو اصطلاحات قرآن مجید میں استعمال کی گئی ہیں۔ ان کے کتنے وسیع علمی تقاضے ہیں۔ جب تک یہ تقاضے پورے نہیں ہوتے احیاءِ دین کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا۔

---

[1] احکام القرآن: ۲/۲۲۳

© rasailojaraid.com